Volume 02, Issue 02,
July-September 2024
PP: 18-32
Open Access on:
www.alimanjournal.com

AL-IMAN
Research Journal
P-ISSN: 3006-1261 E-ISSN: 3006-127X

تعلیمی نظام کی تشکیلِ نو: سیرتِ طیبہ ﷺ کی روشنی میں اسلامی ریاست کے تقاضے

Reforming the Educational System: Islamic State Requirements in Light of the Prophetic Biography ﷺ

Nosherwan Mazari
Research Scholar, Dept. of Islamic Studies, IUB RYK Campus.
mazari.0100@gmail.com

Abstract & Indexing

WORLD of JOURNALS
DRJI
OPEN ACCESS
Signatory of DORA
ACADEMIA
EuroPub
REVIEWER CREDITS

Abstract

The reform of educational systems is a pivotal aspect of nation-building and social progress, especially when considering the educational framework established during the era of the Prophet Muhammad ﷺ. This study explores the educational requirements of an Islamic state through the lens of the Prophetic biography, focusing on the principles and practices that shaped the early Muslim community's educational model. It examines the key components of Islamic education as outlined in the Qur'an and Hadith, including the emphasis on knowledge, ethical values, critical thinking, and community involvement. The research highlights how the Prophet ﷺ integrated practical learning with spiritual development, laying the foundation for a balanced educational approach that catered to the intellectual, moral, and social growth of individuals. By analysing historical examples, this paper proposes reforms that align modern educational systems with Islamic principles, offering a framework that fosters holistic development and societal harmony. The findings aim to provide valuable insights into adapting educational policies to meet the needs of contemporary Muslim societies, ensuring that they reflect the core values of justice, equity, and intellectual empowerment as exemplified in the life of the Prophet Muhammad ﷺ.

Keywords

Islamic education, Prophetic biography, Educational Reform, Islamic state, Qur'an, Hadith, knowledge, Intellectual Development.

Published by:
HIRA INSTITUTE
of Social Sciences Research & Development

All Rights Reserved © 2023 This work is licensed under a Creative Commons Attribution 4.0 International License

تمہید

تاجدار ختم نبوت، سرور کائنات، امام الانبیاء، سرکار دو جہاں حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ کی ذات اقدس اہل ایمان کے لئے سرچشمہ ہدایت و راہنمائی ہیں۔ اہل ایمان کا تمام تر دینی، تہذیبی، علمی، فنی، سیاسی اور معاشرتی نظام کا دارومدار اسوہ رسول کریم ﷺ پر قائم و دائم ہے کیونکہ خالق کائنات نے انہیں قیامت تک آنے والی تمام انسانیت کے لئے رول ماڈل اور اسوۃ حسنہ کا کامل نمونہ مبعوث فرمایا ہے۔ آپ ﷺ کی لازوال اور آفاقی تعلیمات ہر عہد اور ہر زمانے میں اہل ایمان کی شان و شوکت، قوت و رفعت کا نہ صرف باعث رہی بلکہ ان کی ملی، قومی، ریاستی، معاشی اور معاشرتی نظام کی تشکیل و تعمیر کا بنیادی عنصر بھی اسوۃ رسول ﷺ ہے۔ جب تک امت محسن انسانیت ﷺ کے ان آفاقی اصولوں پر کاربند رہی اس نے ترقی کی اوج ثریا کو چھولیا اور جیسے ہی ان اصولوں سے روگردانی کی امت کا زوال شروع ہو گیا۔

محسن انسانیت، پیغمبر رحمت، شافع محشر رسول کریم ﷺ نے مدینہ منورہ کی صورت ایک ایسی اسلامی ریاست کی بنیاد رکھی کہ روئے زمین پر ایسی مثالی، فلاحی اور منظم ریاست کا تصور تک محال تھا۔ ایک ایسی ریاست جس کی اساس ایسے اصولوں پر مبنی تھی جس میں دیانت و امانت، پرہیز گاری، احساس ذمہ داری، فرض شناسی، خدا ترسی اور لازوال اعلیٰ اخلاقی اصول اس کا خاصہ تھے۔ یہی وجہ ہے کہ رسول کریم ﷺ نے مدینہ منورہ کو ان مثالی اصولوں کی بنیاد پر دنیا کی سب سے بڑی، کامیاب اور مستحکم مملکت بنا دیا جس کا حدود اربعہ دس لاکھ مربع میل سے زائد پر محیط تھا۔ بعد ازاں ان تعلیمات کی روشنی میں اسلامی مملکت کو پروان چڑھایا گیا اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے دور اسلامی مملکت کا دائرہ کار بائیس لاکھ مربع میل تک تجاوز کر گیا۔ ایک ایسی پر شکوہ اور عالی شان سلطنت جس کے سامنے قیصر و کسریٰ کے اقتدار کا خاتمہ ہو گیا۔ ڈاکٹر محمد حمید اللہؒ لکھتے ہیں کہ "علم کے لئے نبی کریم ﷺ نے جو بنیادیں فراہم کیں اور جس طرح علوم کی سرپرستی کی، مسلمانوں نے بعد کے زمانے میں جو علمی ترقی کی اور جس کے باعث وہ ساری دنیا کے معلم بنے اور ساری دنیا کے لوگ عربی کتب کو پڑھ کر جدید ترین تحقیقات سے آگاہ ہوئے، اس کی اساس ظاہر ہے عہد نبوی ﷺ کی تیار کردہ بنیاد ہی ہو سکتی تھی۔" زیر نظر مقالہ کا عنوان ریاست کا تعلیمی نظام سیرت النبی ﷺ کی روشنی میں یہ بہت اہم موضوع ہے۔ خلافت راشدہ اور بعد کے ادوار میں مسلمانوں نے جس طرح انفرادی اور اجتماعی حیثیت میں علمی میدان کے اندر ترقی کی ہے اور اس میں معاشرے سے ہم آہنگ اور جدید مہارت حاصل کی ہے اس کی اساس عہد نبوی ﷺ کی پیش کردہ بنیاد ہی ہے جس کی بدولت مسلمان ایک طویل عرصے تک مغربی دنیا کے لئے علم و دانش کا مرکز نگاہ بنے رہے۔ چنانچہ ابتداء میں ریاست کے تعارف اور اس کے تعلیمی نظام کا بیاں ہے بعد ازاں سیرت طیبہ ﷺ کی روشنی میں ریاست کے تعلیمی نظام پر مشتمل گزارشات پیش کی جائیں گی۔

ریاست کا اجمالی تعارف

ریاست کی تعریف مختلف محققین کے لحاظ سے مختلف ہو سکتی ہے، لیکن عموماً ریاست کو ایک خود مختار، سیاسی اکائی، جس کا اپنا حکومتی نظام ہو، جس کی انتظامیت کی بنا پر اس کی قومی اور بین الاقوامی حیثیت ہو ریاست کہلاتا ہے۔ علاوہ ازیں ریاست کی موجودگی اور کارکردگی کی اہمیت کو بھی محققین مختلف زاویوں سے دیکھتے ہیں۔ کچھ کے لحاظ سے ریاست صرف ایک انتظامی اکائی ہوتی ہے جو قومی اور بین الاقوامی معاملات کو انجام دینے کے لئے موجود ہوتی ہے، جبکہ دوسرے محققین کے لحاظ سے ریاست متعدد اندرونی اور بیرونی عوامل کے تعلق سے پیدا ہوتی ہے، جیسے کہ ریاست کے اندر کی فرہنگی، مذہبی، اقتصادی، اور سیاسی دوام کے معاملات۔

چنانچہ انسائیکلوپیڈیا کے مطابق ریاست انسانوں کی وہ جماعت یا ہجوم ہے جو مقاصد کے اشتراک کی بدولت مل جل کر کام کرتے ہیں اور اس سے ایک معاشرہ کی تشکیل و قوع پذیر ہوتی ہے۔[1] الفاظ کے چند اختلاف کے ساتھ شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ بھی ریاست کی یہی تعریف کرتے ہیں۔[2] اسی تعریف کو "فرابی" کی تائید بھی حاصل ہے مگر وہ اس میں ریاست کو کچھ ضروری اقدامات کرنے پر ہی ریاست کا درجہ دیتے ہیں۔ چنانچہ

وہ کہتے ہیں کہ ریاست وہ ہوتی ہے جو اپنے شہریوں کو سہولیات زندگی بہم پہنچانے کے ساتھ ان کی اخلاقی تربیت، معاشرتی رویوں کی بہتری، اور تعلیمی ذمہ داریوں کو احسن انداز سے پوری کرنے کی صلاحیت رکھتی ہو۔

ریاست کی ذمہ داریوں کا تعین

ریاست کی ذمہ داریوں کا تعین محققین کے ہاں مختلف ہیں۔ عام طور پر ایک ریاست کی مثال خاندان کے سربراہ کے طور پر دی جاتی ہے جس طرح ایک خاندان کا سربراہ اپنے افراد کا ذمہ دار ہوتا ہے بعینہ ریاست بھی اپنی رعایا کے حقوق کی ذمہ دار ہوتی ہے۔ ریاست کے پاس حکومتی وسائل ہوتے ہیں۔ ان وسائل کو بروئے کار لا کر وہ عوام الناس کے لئے سہولیات بہم پہنچاتی ہے۔ ان ذمہ داریوں میں قانون سازی (مقننہ) انصاف کی فراہمی (عدلیہ)، ذریعہ معاش کی فراہمی، ذرائع آمدورفت کی سہولیات، انسانی حقوق کے تحفظ، جان ومال کی سلامتی، تعلیم کی فراہمی، شہروں کی دیکھ بھال، سڑکوں، بجلی، پانی، گیس اور دیگر بنیادی سہولتوں کی فراہمی کا انتظام کرنا عام طور پر یہ ریاست کی ذمہ داریوں میں شامل ہے۔ چنانچہ پروفیسر لاسکی کے بقول:

"ریاست ایک ایسی تنظیم ہے جو عوام کے لئے وسیع ترین پیمانے پر معاشی ومعاشرتی فلاح وبہبود کے حصول کا ذریعہ بنتی ہے۔"[3]

یہ بات واضح ہے کہ ریاست درحقیقت عوام کی مددگار ہوتی ہے جو لوگوں کو منظم کرکے ان کے لئے قوانین کا نفاذ یقینی بناتی ہے، امن و امان قائم رکھتی ہے، معاشی اور معاشرتی طور پر لوگوں کی رہنمائی کرتی ہے۔

تعلیم اور ریاست کا باہمی تعلق

ریاست کے قائم ہونے کے لئے شرط یہ ہے کہ لوگوں کا ایک منظم گروہ یا جماعت جسے معاشرہ کہا جاتا ہے وجود میں آئے گا تبھی ریاست قائم کی جاسکتی ہے۔ یعنی ریاست کا قیام مشروط ہے ایک "معاشرے" سے۔ اور معاشرہ تبھی وجود میں آتا ہے جب وہ افراد پر مشتمل ہو۔ معاشرہ افراد کے مجموعے کا نام ہے۔ چنانچہ نصیر الدین طوسی کے مطابق "ریاست انسانی معاشرے کی ایک ارتقائی صورت ہے جو فرد واحد سے ایک گھرانہ، گھرانے سے شہر، شہر سے معاشرہ اور معاشرے سے ریاست بنتی ہے اور اس کا اختتام بین الاقوامیت پر ہوتا ہے۔"[4]

اسی لئے فرد اور ریاست باہم لازم وملزوم ہیں۔ فرد اگر قابل اور باصلاحیت ہو گا تو معاشرہ صحت مند اور روز افزوں ترقی پائے گا اور جب معاشرہ ترقی پائے گا تو لامحالہ ریاست کو اس سے فائدہ ہو گا اور ریاست زیادہ بہتر طریقے سے امور کی انجام دہی میں اپنا فعال کردار ادا کرپائے گی۔ چنانچہ ایک کامیاب ریاست کے لئے ضروری ہے کہ وہ افراد کے لئے تعلیمی انتظام رائج کرے اور اسے باصلاحیت بنائے۔ یہی وجہ ہے کہ تعلیم کا معاشرے سے نہایت گہرا تعلق ہے۔

تعلیم ہی ایک ریاست کو مطلوبہ سمت میں نشوونما اور کامیابی کے حصول کے لئے درکار افراد فراہم کرتی ہے۔ لوگ مخصوص انداز میں اپنی صلاحیتوں سے فائدہ اٹھاتے ہیں اور بعد میں معاشرے اور ریاست میں اپنی خدمات انجام دے کر معاشرے کو ترقی کی معراج پر پہنچا دیتے ہیں۔ مثال کے طور پر اگر کوئی معاشرہ چاہتا ہے کہ وہ زراعت میں ترقی کرے وہ زراعت کے ماہرین کو پیدا کرتا ہے انہیں تعلیم یافتہ بناتا ہے جو ایک پورے معاشرے کو ترقی کی راہ پر گامزن کر دیتے ہیں۔ ریاست کی معاشی حالت میں سدھار آتا ہے اور لوگ خوشحال ہوتے چلے جاتے ہیں۔ یوں ہر معاشرے کی کچھ ضروری ترجیحات ہوتی ہیں جنہیں ریاست پورا کرتی ہے تاکہ وہ معاشرے کی صحیح سمت کا تعین کر سکے۔

ریاست کی اہمیت اسلام کے تناظر میں

اسلام ریاست کے وجود کا زبردست داعی ہے اور اس کے مکمل نظم ونسق کی خاطر زریں اصول وضع کرتا ہے۔ اسلام میں ریاست کی اہمیت کا اندازہ اس بات سے لگایا جاسکتا ہے کہ اللہ تعالی نے اپنے احکامات کی بجاآوری کا جو حکم اپنے بندوں پر فرض کیا ہے اس کی بجاآوری بدون

سلطنت و اقتدار محال ہے کیونکہ بہت سے اسلامی احکامات ایسے ہیں جیسے سزا و جزا کا اجراء، باہمی معاشرت کا نظام اور اسلامی معاشی نظام کا قیام بغیر اقتدار ممکن نہیں۔ چنانچہ فقہ اسلامی کی رو سے ریاست کا قیام بہت سے مصالح کی تکمیل کے لئے ضروری قرار دیا ہے۔[5] چنانچہ ریاست و حکومت کو اسلام کا جڑواں بھائی قرار دیا گیا ہے اور اسے ایک دوسرے کے بغیر ادھورا قرار دیا گیا ہے۔ علامہ سیوطی لکھتے ہیں:

الاسلام والسلطان اخوان توامان لا یصلح واحد منهما الا بصاحبه[6]

اسلام اور سلطان (ریاست) دونوں بھائی ہیں دونوں میں سے کوئی بنا دوسرے کے درست نہیں ہو سکتا ہے۔

یہی وجہ ہے ریاست کو اسلام کا نگہبان قرار دیا گیا ہے کیونکہ ایک اسلامی ریاست میں ریاست کا کام اسلام کے احکامات کی بجا آوری، اسلامی نظریات کا تحفظ اور اسلام قوانین کا نفاذ ہوتا ہے۔ ڈاکٹر محمود احمد غازی کے مطابق اسلامی نظام میں ریاست اور دین ایک ساتھ قائم و دائم ہوتے ہیں۔ دونوں ایک دوسرے کی تکمیل میں معاونت کرتے ہیں دونوں ایک دوسرے کے مددگار ثابت ہوتے ہیں اور دونوں کے تقاضے ایک دوسرے سے پورے ہوتے ہیں۔[7] یہی وجہ ہے کہ اسلام ریاست کے قائم کرنے پر زور دیتا ہے اور اسے اسلام کے نفوذ کا ایک ذریعہ اور مددگار قرار دیتا ہے۔

ریاست کا تعلیمی نظام۔۔۔ سیرت النبی ﷺ کی روشنی میں

اسلام میں علم اور تعلم کی معنویت اور کردار مسلّم ہے۔ قرآن کریم میں متعدد مقامات پر علم و تعلم کو کامیابی کی ضمانت قرار دیا گیا ہے۔ چنانچہ یہ بات تو ثابت شدہ ہے کہ علم ہی در حقیقت انسان کی فلاح کا حقیقی موجب ہے۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: يَرْفَعِ اللَّهُ الَّذِينَ آمَنُوا مِنكُمْ وَالَّذِينَ أُوتُوا الْعِلْمَ دَرَجَاتٍ[8] مذکورہ آیت مبارکہ میں اللہ تعالیٰ نے اہل ایمان میں سے علم والوں کے درجات بلند کرنے کی خوشخبری سنائی ہے۔ یعنی اللہ تعالیٰ علم والوں کو کامیابی سے نوازے گا اور اسی طرح قرآن مجید میں اہل علم کی ایک اور فضیلت میں وارد ہوئی ہے:

قُلْ هَلْ يَسْتَوِي ٱلَّذِينَ يَعْلَمُونَ وَٱلَّذِينَ لَا يَعْلَمُونَ[9]

اے پیغمبر آپ ان سے پوچھئے کہ کیا علم والے اور بغیر علم والے برابر ہو سکتے ہیں۔

اللہ تعالیٰ نے درجنوں آیات میں علم اور علم والوں کی فضیلت کو بیان کیا ہے اور علم والوں کی فوقیت بیان فرمائی ہے۔

ریاست کے تعلیمی نظام کے تناظر میں یہ بات جان لینا ضروری ہے کہ رسول کریم ﷺ نے مدینہ منورہ میں اسلامی ریاست قائم فرمائی اور اس میں افراد معاشرہ کی تعلیم و تربیت کو مرکزی حیثیت حاصل رہی۔ اس لئے اسلامی ریاست کی ذمہ داری ہے کہ افرادِ معاشرہ کی تعلیم و تربیت کا انتظام کرے اور اس حوالے سے کسی قسم کی کوتاہی و غفلت نہ برتے۔ اگر غور کیا جائے تو یہ حقیقت واضح ہوتی ہے کہ ایک کامیاب ریاست ہی در حقیقت افرادِ معاشرہ کی عظیم تربیت کا نتیجہ ہوا کرتی ہے، چنانچہ سیرت طیبہ پر نظر ڈالنے سے یہ بات واضح ہے۔ رسول کریم ﷺ نے پہلے مکہ مکرمہ میں حضرات صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم کو تعلیم دی اور نہیں تربیت کے زیور سے آراستہ فرمایا، پھر مدینہ منورہ ہجرت کرنے سے پہلے ہی حضرت مصعب بن عمیر رضی اللہ عنہ کو تعلیم دینے کی خاطر مدینہ منورہ بھیج دیا تاکہ اسلامی ریاست کے قیام کے لئے یہ پیش خیمہ ثابت ہوں۔[10] اور پھر واقعی ایسا ہی ہوا۔ رسول کریم ﷺ کے تربیت یافتہ اور تعلیم یافتہ حضرت مصعب بن عمیرؓ نے ایسی تبلیغ فرمائی کہ اسلامی ریاست کے قیام کی راہ ہموار ہو گئی اور مدینہ منورہ میں کوئی ایسا گھر نہ بچا جس کے بڑا مسلمان نہ ہو گیا ہو۔ قرآن کریم نے تعلیم کتاب و حکمت اور تزکیہ ان دو چیزوں کو رسول کریم ﷺ کے فرائض منصبی کے طور پر بیان فرمایا ہے۔ جیسا کہ آیت قرآن میں وارد ہوا کہ ایک رسول تم میں مبعوث کیا گیا ہے جو تمہیں قرآن مجید کی آیات تلاوت کرتا ہے اور ان کی تربیت اور تزکیہ کا اہتمام کرتا ہے اور انہیں کتاب حکمت کی تعلیم دیتا ہے۔[11] چنانچہ رسول اللہ ﷺ نے مکہ مکرمہ میں مسلمانوں کی تعلیم و تربیت کا اہتمام فرمایا مگر حالات کے جبر و استبداد اور غیروں کی شدید

مخالفتوں کی وجہ سے باقاعدہ درسگاہ کا انتظام ممکن نہ تھا،البتہ ان شدید حالات کے باوجود بھی "دار ارقم" کے نام سے معروف ایک مکان علم و حکمت کی اس تعلیم کے لئے مختص تھا۔ جہاں رسالت ماب ﷺ خود بنفس نفیس تعلیم دینے کا کام سرانجام دیا کرتے تھے۔ اور مکہ میں جو تھوڑے بہت لوگ مسلمان ہوئے وہ اسی مکان کے زیر سایہ اولین اسلام کی درس گاہ میں مسلمان ہوئے جن میں حضرت عمرؓ کا ایمان لانا بھی شامل ہے۔ امام ابو ولید ازرقی نے دار ارقم کے حوالے سے تفصیل کے ساتھ لکھا ہے۔[12]

سابق میں ذکر گزر چکا کہ مدینہ منورہ میں اسلام کی ترویج اور تعلیم و تعلم کے لئے رسول کریم ﷺ نے پہلے ہی بندوبست فرما دیا تھا چنانچہ وہاں تین مستقل تعلیم گاہیں وجود میں آچکی تھیں، جن میں ایک مسجد بن زریق تھی جہاں حضرت رافع بن مالکؓ کو علم کی ترویج کے لئے متعین کیا گیا تھا۔ جبکہ ایک درس گاہ مدینہ منورہ کے جنوب میں مسجد قباء نام سے تھی جہاں حضرت سالم تعلیم دینے کے فرائض سرانجام دے رہے تھے اور تیسری درس گاہ مدینہ منورہ سے شمال کی جانب کچھ فاصلے پر حضرت اسعد بن زرارہ کا مکان تھا جس میں حضرت مصعب بن عمیرؓ تعلیم و تعلم کا سلسلہ جاری رکھے ہوئے تھے۔[13] یہ تین مستقل تعلیمی سلسلے اس وقت ہی قائم ہو گئے تھے جب ابھی مدینہ کی ریاست وجود میں نہیں آئی تھی۔ اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ اسلام نے تعلیم و تعلم کو کس قدر اہمیت دی ہے۔

ہجرت مدینہ کے بعد جب رسول کریم ﷺ مدینہ میں تشریف لائے تو ان تعلیمی سرگرمیوں نے سرکاری حیثیت اختیار کر لی۔ چنانچہ سب سے پہلے رسول کریم ﷺ نے بنفس نفیس جو درسگاہ تعمیر کروائی اس کا نام "صفہ" ہے اور آپ ﷺ اس درسگاہ کے اولین معلم تھے۔ چنانچہ آپ نے اپنے لئے معلم کی نسبت کو ہی پسند فرمایا" انما بعثت معلما" کہ میں معلم بنا کر بھیجا گیا ہوں۔ "صفہ" کو مسجد نبوی ﷺ کے متصل قائم کیا گیا۔ یہ عالم اسلام کی پہلی اقامتی درسگاہ ہے جسے ریاست کے زیر سایہ تعمیر کیا گیا۔[14] "صفہ" میں حضرات صحابہ کرام بنیادی دینی تعلیمات واحکام اور قرآن کریم سیکھتے تھے۔ "صفہ" میں حضرات صحابہ کرامؓ کو قرآن و سنت اور دیگر ضروری فنون کی تعلیم دی جاتی تھی چنانچہ ڈاکٹر محمود احمد غازی رقمطراز ہیں کہ:

"صفہ میں نہ صرف مقیم طلبہ تعلیم پاتے تھے بلکہ مدینے کے رہنے والے لوگ بھی بلا لحاظ عمر وہاں علم سیکھتے تھے۔ ان اصحاب کے اخراجات ریاست کے ذمے تھی۔ اصحاب صفہ کی تعداد عام طور پر ۱۰۰، ۹۰ تک رہتی تھی۔ ان ہمہ وقتی طلبہ کے علاوہ بیرون مدینہ سے مختلف لوگ آتے تھے اور مختصر عرصہ قیام کر کے ضروری دینی علم حاصل کرتے تھے۔"[15]

اسلام کے اولین تربیتی اور تعلیمی مرکز "صفہ" میں دی جانے والی تعلیم کی اساس، بنیاد اور روح درحقیقت قرآن کریم کی تعلیم ہی تھی۔ صحابہ کرامؓ نے قرآن کریم ہی سے تربیت پائی اور قرآن کریم ہی دراصل تمام علوم کی اصل ہے۔ چنانچہ ڈاکٹر محمود احمد غازیؒ لکھتے ہیں کہ:

"قرآن مجید تمام علوم کی اصل ہے۔ قرآن مجید کو سمجھنے اور اس کے مختلف مضامین کا احاطہ کرنے کے لئے امت مسلمہ نے جو فنون ایجاد کئے ان کی تعداد ابن العربیؒ نے ساڑھے چار سو سے زائد بتائی ہے۔"[16]

یہی وجہ ہے کہ بعد میں آنے والے مسلمانوں نے انہی علوم کی بنیاد پر سائنس اور ٹیکنالوجی میں بے بہا ترقی کی۔ عصر حاضر میں مسلم ریاستیں تعلیم و تربیت اور ایجادات کے محاذوں پر پیچھے نظر آتی ہیں۔ سائنس اور ٹیکنالوجی کے میدان میں مسلم امہ دیگر اقوام عالم سے بہت پیچھے رہ چکی ہے جبکہ تربیت اور کردار سازی کی طرف حکومتی توجہ نہ ہونے کے برابر ہے جس کی وجہ سے دیگر عناصر انہیں با آسانی بے راہروی کا شکار بناتے ہیں۔ ریاست کا تعلیمی نظام کیسا ہونا چاہیے اور اسکی پالیسی کیسی ہونی چاہیے چند اصولی باتیں حسب ذیل ہیں:

(1) مساجد کا کردار اور ریاستی پالیسی

رسول کریم ﷺ کی ریاستی تعلیمی پالیسی میں مساجد کا کردار سب سے اہم ہے۔ کیونکہ اسلام میں افراد معاشرہ کی تربیت و کردار سازی اور تعلیم میں مساجد کو بنیادی اہمیت حاصل رہی ہے۔ مساجد میں پنج وقتہ اللہ تعالیٰ کا ذکر کیا جاتا ہے اور لوگوں کی روحانی تربیت و اصلاح ہوتی ہے، ان کے دلوں میں خوفِ خدا، فکر آخرت اور اخوت و خیر خواہی کے جذبات پیدا ہوتے ہیں اور ایک فرد کی ابتدائی تربیت اور تعلیم کا گہوارہ ماں کی گود کے بعد مسجد ہوتا ہے۔ آج مسجد کا ایک ہی کردار زندہ ہے اور وہ ہے پنج وقتہ نماز جبکہ مدینہ کی ریاست میں مسجد کا کردار نہایت وسیع تھا۔ یہ تعلیم کا مرکز بھی تھا اور تربیت گاہ بھی۔ یہ مختلف فنون سیکھنے کا منبع بھی تھا اور بے گھر اور مسافروں کے لئے آرام دہ سکون کی جگہ بھی تھی۔ مسجد ہی میں مرکزی پارلیمنٹ کا کردار ادا کیا جاتا تھا اور اسی میں اہم جنگی فیصلے ہوتے تھے۔ رسول کریم ﷺ مسجد کے اس فعال کردار کے موجد تھے۔ چنانچہ رسول اللہ ﷺ جب مدینہ منورہ کی طرف ہجرت فرماتے ہوئے قباء میں چند روز کے لئے ٹھہرے اور وہاں مسجد قباء کی بنیاد رکھی۔ مدینہ منورہ پہنچنے کے بعد آپ ﷺ کے کام کا آغاز یہ تھا کہ آپ ﷺ نے مسجد نبوی کی تعمیر شروع کی۔[17] اس سے ایک ریاست کے لئے مسجد کی اہمیت کا اندازہ ہوتا ہے اور اس حوالے سے اسلامی ریاست کی ذمہ داری بھی عیاں ہوتی ہے کہ ابھی اسلامی ریاست کا نقطہ آغاز تھا کہ آپ نے اپنے ساتھیوں کے ساتھ مل کر سب سے پہلے مساجد کی تعمیر شروع فرمائی اور پھر بعد میں یہ سلسلہ اسلامی مملکت میں چل نکلا۔ حضرت عمر فاروقؓ نے بھی اپنے دور خلافت میں تمام مفتوحہ ممالک میں نہایت کثرت سے مساجد تیار کرائیں۔ حضرت ابو موسیٰ اشعری کوفہ کے حاکم تھے حضرت عمرؓ نے انہیں خط لکھا کہ یہاں ایک جامع مسجد اور ہر قبیلہ کے لئے الگ الگ مسجدیں تعمیر کی جائیں۔[18] حضرت عمرؓ نے تعلیم کے فروغ کے لئے مساجد کو نہایت اہمیت دی چنانچہ حضرت عبد اللہ بن مغفل کے متعلق علامہ ابن الاثیر نے لکھا کہ یہ ان دس بزرگوں میں سے ہیں جنہیں حضرت عمر نے باقاعدہ فقہ کی تعلیم کے لئے بصرہ بھیجا۔[19] اس کے علاوہ مدینہ منورہ میں حضرت عمرؓ نے چھوٹے بچوں کے لئے مساجد میں مکتب قائم کئے۔ جن کے معلمین کو باقاعدہ ماہانہ بنیادوں پر پندرہ درہم تنخواہ دی جاتی تھی۔[20] مذکورہ تصریحات سے یہ بات پایہ تکمیل کو پہنچی کہ مسجد کے کردار کو فعال کرنے کی ضرورت ہے اور اسے جس طرح محدود کیا گیا ہے اسے فی الفور ختم کرنے کی ضرورت ہے۔ مساجد تعلیم و تعلم کے اولین مراکز ہیں انہیں ان کی قدیم شناخت واپس کرنے کی ضرورت ہے اور اس کے لئے باقاعدہ حکومتی پالیسی ناگزیر ہے۔

(2) جدید علوم وفنون کی تعلیم کا انتظام

اسلامی فلاحی ریاست کا خواب اس وقت تک شرمندہ تعبیر نہیں ہو سکتا جب تک اس میں زمانے اور حالات کے مطابق مختلف جدید علوم و فنون کی تعلیم و ترویج کے لئے عملی اقدامات نہ کئے جائیں۔ رسول کریم ﷺ کی مدینہ جیسی عظیم الشان ریاست میں جہاں قرآن وسنت کی تعلیم پر خصوصی توجہ دی جاتی تھی وہاں اس زمانے کے رائج دیگر علوم وفنون سیکھنے سکھانے کا بھی انتظام تھا اور حضرات صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین ان میں بڑھ چڑھ کر حصہ لیا کرتے تھے۔ مدینہ منورہ کی مرکزی درس گاہ صفہ میں جن علوم کی تعلیم دی جاتی تھی ان کے متعلق ڈاکٹر محمد حمید اللہ تحریر فرماتے ہیں: ”صفہ میں اسلام کے مبادیات کی تعلیم کے ساتھ مختلف دیگر فنون سکھائے جاتے تھے، چنانچہ بعض صحابہ کرام کتابت اور تحریر سیکھتے تھے جبکہ بعض قراءت اور پڑھنا سیکھتے تھے اس کے علاوہ بعض حضرات ان سورتوں کو یاد کرتے تھے جو قریب میں نازل ہو چکی ہوتی تھیں۔[21] چنانچہ حضرت عبادہ بن صامت رضی اللہ عنہ کا بیان ہے کہ میں نے اصحاب صفہ میں سے کئی حضرات کو کتابت اور قرآن کی تعلیم دی تھی۔“[22] ریاست مدینہ میں تعلیم کو اتنی اہمیت دی گئی کہ بوقت ضرورت غیر مسلموں سے بھی استفادہ کیا گیا، چنانچہ غزوہ بدر کے موقع پر جو کفار قیدی بن کر آئے تھے، ان میں جو لوگ تحریر اور کتابت جانتے تھے انہیں اس شرط پر رہا کرنے کا فیصلہ کیا گیا کہ وہ دس دس بچوں کو پڑھنا لکھنا سکھائیں گے۔ جدید فنون میں زبان و بیان کا ایک شعبہ بھی قائم کیا گیا تھا۔ جس میں اس زمانے میں رائج مختلف زبانوں کی تعلیم دی جاتی تھی جس

میں فارسی، رومی، مصری، حبشی زبانیں شامل تھیں۔زبانیں سیکھنے والوں میں حضرت زید بن ثابت بھی شامل تھے۔کیونکہ یہ رسول کریم ﷺ کی طرف سے کاتب مقرر تھے اور مختلف بادشاہوں کو خطوط لکھا کرتے تھے۔چنانچہ انہوں نے صفہ میں ہی زبانیں سیکھیں۔حافظ ابن حجرؒ نے لکھا ہے کہ حضرت زید بن ثابت نے سریانی زبان صرف سترہ دن میں سیکھی تھی۔[23]حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اپنے دور خلافت میں تعلیم کے ساتھ ادب اور عربیت کی تعلیم لازم قرار دے دی تھی۔[24]یہی وجہ ہے ایک ریاست کے لئے بین الاقوامی تعلقات عامہ ہموار کرنے کے لئے اور علوم و فنون کی ترویج اور کتب کے استفادے کے لئے دوسری اقوام کی زبانوں کا سیکھنا اشد ضروری ہے۔تاکہ مختلف ممالک اور لوگوں کے ساتھ روابط رکھنے اور سفارتی تعلقات قائم کرنے میں دشواری کا سامنانہ کرنا پڑے۔

(3) مفت تعلیمی سہولیات کی فراہمی

ریاست کی تعمیر و ترقی اور فلاح کی ضمانت اس میں ہے کہ اس کے افراد میں شرح خواندگی سو فیصد ہو۔اس کے لئے ضروری ہے کہ ریاست لوگوں کے لئے مفت تعلیم کا بندوبست کرے۔رسول کریم ﷺ نے تعلیم ہر فرد کے لئے ضروری قرار دی چنانچہ آپ ﷺ نے فرمایا کہ " طلب العلم فريضة على كل مسلم "[25]علم کا طلب کرنا ہر مسلمان پر ضروری ہے۔اگرچہ اس علم کا تعلق اس ضروریات زندگی سے ہے جو ایمان و اسلام سے متعلق ہیں۔لیکن بہر حال یہ ضروری ہے کہ ریاست میں خواندگی کا شرح کا تناسب بہتر ہو تو ریاست ترقی کے منازل طے کرتی اور ترقی پاتی ہے اور ریاست طبقاتی تقسیم کے خطرناک وائرس سے محفوظ رہتی ہے۔ترقی یافتیں ممالک اپنی رعایا کے لئے سب سے پہلے تعلیم کو فوقیت دیتے ہیں یہی وجہ ہے کہ ان کے ہاں عام شخص کی ترقی اور خوشحالی کی شرح دوسرے ترقی پذیر ممالک سے کہیں زیادہ ہے۔ریاست کے لئے ضروری ہے کہ وہ یکساں بنیادوں پر دینی اور جدید عصری علوم و فنون کی تعلیم و تدریس کا بندوبست اور نظام قائم کرے۔طلباء کے لئے اسکالرشپ اور مفت رہائش کا انتظام کیا جانا چاہیے۔

(4) جدید تعلیمی اداروں کا قیام

ریاستی تعلیمی نظام میں ضروری ہے کہ ہنگامی بنیادوں پر تعلیمی مراکز اور ادارے کا قیام عمل میں لایا جائے جن میں علوم کی ترویج کے لئے جدید ترین انتظام اور بین الاقوامی کتب کی رسائی ممکن ہو۔رسول کریم ﷺ نے اپنے عہد مبارک میں مدینہ منورہ میں صفہ نام کا ایک بہترین ادارہ قائم فرمایا۔اس کے ساتھ دارالقراء نام سے ایک رہائشی عمارت بھی قائم تھی جس میں علوم حاصل کرنے آنے والوں کی رہائش کا انتظام کیا جاتا تھا۔بہت سے مہاجرین قباء میں تعلیم حاصل کرتے تھے۔مدینہ منورہ میں ہجرت کے بعد یہاں تعلیمی اداروں کی تعداد دس سے زائد تھی جہاں مختلف علوم وفنون کی ترویج کا کام جاری و ساری تھا۔[26]

اس لئے ریاستی طور پر ہر علاقے میں جدید ترین تعلیمی اداروں کا قیام عمل میں لایا جانا نہایت ضروری ہے۔شرح خواندگی کو بہتر بنانے اور عام عوام کی رسائی علم کی لامحدود وسعتوں تک پھیلانے کے لئے جدید ترین تعلیمی اداروں کا قیام اولین ترجیح ہونی چاہیئے۔

(5) تعلیم بالغاں اور معذورین کے لئے تعلیم کی فراہمی

ریاست ایک ماں کے جیسی ہوتی ہے یعنی جس طرح ماں اپنے بچوں میں کوئی فرق روا نہیں رکھتی ایسے ہی ضروری ہے کہ ریاست بھی اپنے افراد میں کوئی فرق روانہ رکھے۔ریاست کا ایک بڑا طبقہ وہ ہوتا ہے جو اپنی تعلیمی طبعی عمر یعنی بچے سے بڑھ کر اب وہ جوان ہو چکے ہوتے ہیں یا وہ بڑھاپے کی دہلیز پر پہنچے ہوئے ہوتے ہیں ضروری ہے کہ ایک ریاست ان کے لئے بھی تعلیم کا بندوبست کرے۔صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین میں سے اکثر وہ کبار صحابہ ہیں جنہوں نے رسول کریم ﷺ سے بڑی عمر میں علم حاصل کیا اور پھر اس میں کمال حاصل کیا۔[27]اسی طرح ریاست کا وہ طبقہ جو کسی معذوری جیسے نابینا ہونا یا کسی اور جسمانی عارضے کی بناء پر عام انسانوں سے مختلف حالات میں مبتلا ہوتے ہیں اور انہیں

ضروریات زندگی کے لئے دوسروں کا محتاج ہونا پڑتا ہے۔ انہیں تعلیم اور دوسرے معاملات کے لئے مزید سہولیات کی ضرورت ہوتی ہے۔ تب ریاست اِن کا سہارا بنتی ہے اور انہیں تعلیم کے زیور سے آراستہ کرتی ہے۔ ایک کامیاب ریاست کے لئے ضروری ہے کہ وہ ایسے افراد کے لئے خصوصی تعلیمی مراکز قائم کرے اور ان کے لئے ایسے آلات کی فراہمی یقینی بنائے جن سے انہیں تعلیم کے حصول میں معاونت حاصل ہو۔ رسول کریم ﷺ کے ایک نابینا صحابی حضرت عبد اللہ ابن ام مکتوم خاص الخاص شاگرد رشید تھے۔ آپ ﷺ کے بہت قریب تھے اور ان سے علم حاصل کرتے تھے۔ چنانچہ بعد میں یہ نابینا صحابی استاد کی حیثیت سے مقرر ہوئے۔[28]

اس سے اس بات کا اندازہ ہوتا ہے کہ ریاست کے لئے ضروری ہے کہ وہ ایسے افراد کی تربیت کا خصوصی بندوبست کرے اور انہیں کلی یا جزوی طور پر معذور گردان کر تعلیم سے محروم نہیں کیا جاسکتا۔ تعلیم جس طرح ایک عام صحت مند فرد کا حق ہے بعنیہ اسی طرح تعلیم کا حصول ان کے لئے بھی ضروری ہے جو کسی عارضے کی بناء پر عام حالات میں تعلیم حاصل کرنے سے محروم رہتے ہیں۔ بسا اوقات یہ لوگ عام صحت مند افراد سے بھی زیادہ علوم وفنون کے ماہر ہو جاتے ہیں اور ان کی مہارت کی ایک دنیا معترف ہوتی ہے چنانچہ بروایت شعبی عبد اللہ ابن ام مکتوم رضی اللہ عنہ کو رسول کریم ﷺ نے اس منصب سے نوازا جو بہت کم کسی صحابہ کے حصے میں آیا کہ انہیں غزوہ میں جانے کی صورت میں تیرہ بار مدینہ منورہ میں اپنی جانشینی کے لئے مقرر فرمایا اور حضرت ابن ام مکتومؓ لوگوں کی امامت فرماتے۔[29] اس سے اندازہ ہوتا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ان کی صلاحیت کو سمجھتے اور جانتے ہوئے انہیں اپنا جانشین مقرر فرمایا۔

(6) تعلیم نسواں کے لئے ریاستی تعلیمی نظام

جس طرح ایک خاندان میں عورت کی حیثیت مسلم ہے اور بعض مواقع میں مردوں سے بڑھ کر ان کی افادیت ہے بالکل ایسے ہی ایک ریاست کی تعمیر وترقی میں عورت کا بہترین اور اعلیٰ کردار ہوتا ہے۔ تعلیم ہر مرد وعورت کا پیدائشی حق ہے بلکہ بطور اہل ایمان ہم پر فرض اور ہمارا طرہ امتیاز ہے اور اس باب میں اصولی طور پر مرد وزن دنوں کے درمیان کوئی فرق نہیں ہے۔ اسلام ہی نے سب سے پہلے خواتین کو تعلیم اور دوسرے وہ تمام بنیادی حقوق (وراثت وغیرہ) دیئے ہیں جن میں ان کی صدیوں حق تلفی کی جاتی رہی۔ یہی وجہ ہے کہ بعض لوگوں کی علاقائی روایات، ثقافت یا بعض خارجی عوامل کی بناء پر اس بنیادی حق میں کمی بیشی ہوتی رہی ہے لیکن جہاں تک اسلام کی روایت اور رسول اللہ ﷺ کی تعلیمات کا تعلق ہے تو خواتین پر تعلیم کے معاملے میں ہمیشہ پذیرائی ہی کی گئی بلکہ تعلیم نسواں کے لئے ترغیب بھی دی جاتی تھی اور حوصلہ افزائی بھی کی جاتی تھی۔ چنانچہ رسول کریم ﷺ نے مدینہ کی ریاست میں خواتین کی تعلیم کے لئے ایک دن مقرر فرمایا ہوا تھا جس میں انہیں تعلیم دی جاتی تھی۔[30] خواتین کے لئے جدید تعلیم حاصل کرنے کا بھی ہمیں سیرت النبی ﷺ میں اشارہ ملتا ہے۔ احادیثِ نبویہ اور صحابیات کے معمولات سے ہمیں علم ہوتا ہے کہ نبی کریم ﷺ نے اپنی صحابیہ لیلیٰ شفاءؓ بنت عبد اللہ کو تلقین کی کہ وہ آپ کی زوجہ حفصہ بنت عمر کو لکھنا پڑھنا سکھائیں اور علاج بھی سکھائیں۔ روایت میں آتا ہے کہ

دخل علي رسول الله ﷺ وأنا عند حفصة فقال لي ألا تُ علّمين هذه يريد حفصة رقية النملة كما علّمتها الكتابة[31]

"میں سیدہ حفصہ کے پاس بیٹھی تھی کہ نبی کریم ﷺ بھی وہاں آگئے اور مجھے فرمایا تم حفصہ کو پھنسی کے علاج کا طریقہ کا بھی سمجھا دو جیسا کہ تم نے اسے پڑھنا لکھنا سکھایا ہے۔"

یہ حدیث متعدد راویوں کے طرق سے احادیث کی کئی کتب میں وارد ہوئی ہے۔ اس حدیث کو مسند احمد بن حنبل میں بھی روایت کیا گیا ہے۔[32] مذکورہ حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ رسول کریم ﷺ نے خواتین کو علم طب حاصل کرنے کی ترغیب فرمائی ہے اور یہ ضروری بھی ہے کیونکہ

بعض ایسے امراض جن میں خواتین کو مسائل در پیش ہوتے ہیں وہ خواتین معالج ہی کے ذریعے پیش کئے جائیں تو شریعت نے اسے احسن قرار دیا ہے۔اس لئے خواتین اسلام کے لئے علوم وفنون حاصل کرنے کی اسلام باقاعدہ تبلیغ اور ترغیب دیتا ہے۔

رسول کریم ﷺ کے زمانے میں عورتوں کے اندر حصولِ علم کے تیئں شوق اور جذبہ بے پایاں پایا جاتا تھا اور آپ ﷺ بھی ان کے شوقِ طلب اور ذوقِ جستجو کی قدر کرتے ہوئے ان کی تعلیم وتربیت کا کتنا اہتمام فرماتے تھے۔ تعلیم وتربیت کے عمومی ماحول کا اثر تعلیم وتربیت کے اسی عمومی ماحول کا اثر ہے کہ جماعتِ صحابیات رضی اللہ عنہم میں بلند پایہ اہل علم خواتین کے ذکرِ جمیل سے آج تاریخِ اسلام کا ورق ورق درخشاں وتابا ں ہے۔چنانچہ یہ بات ثابت شدہ ہے کہ حضرت عائشہؓ وحضرت ام سلمہؓ اور ان جیسی دیگر فقہ وحدیث وتفسیر میں رتبہ بلند رکھنے کے ساتھ ساتھ تحقیق ودرایت کے میدان کی بھی شہسوار تھیں۔لہٰذا ریاست کے ذمہ ضروری ہے کہ وہ تعلیم نسواں کے لئے معیاری اور اعلیٰ ادارے قائم کرے جس میں جدید سہولیات کے ساتھ انہیں تعلیم کے زیور سے آراستہ کیا جاسکے۔

(7) نصابِ تعلیم میں ریاست کا نظام

ریاست کے پائیدار اور ترقی کا دارومدار اس کی تعلیمی پالیسی اور نصاب پر منتج ہوتا ہے۔ نظریاتی اور فکری ذہن ریاست کی مضبوطی میں اپنا فعال کردار ادا کرتا ہے اس لئے کہا جاتا ہے کہ معاشی ترقی سے کہیں زیادہ فکری ترقی ضروری ہے۔کیونکہ فکر اور سوچ کی اعلیٰ پائے کی پرورش ایک ہزار سالہ ترقی کی ضمانت دیتی ہے۔ریاست کے تعلیمی نظام میں نصاب کو بنیادی حیثیت حاصل ہے۔تیسری اور چوتھی صدی ہجری اس لحاظ سے بہت اہمیت کی حامل ہے۔ اس دور میں مسلمانوں نے نصاب کی از سرنو تشکیل کے ضمن میں بڑی شاندار ترقیاں کیں۔ جامعہ زیتونیہ، جامعہ القرویین (مراکش) اور جامعہ الازہر (مصر) جیسی یونیورسٹیاں کی مثال پوری دنیا میں کہیں نہیں ملتی تھی۔یہ وہ وقت تھا جب یورپ ابھی مکمل تاریکی میں ڈوبا ہوا تھا اور مسلمان علم کی روشنی سے پورے جہاں کو روشن کررہے تھے۔یورپ سے لوگ تعلیم حاصل کرنے ان اداروں کا رخ کر رہے تھے۔ابن رشد، جابر بن حیان، ابن سینا اور ان جیسے دیگر نابغہ رزگار شخصیات انہی اداروں کا فیض تھے۔ان اداروں کی یہ خصوصیت تھی کہ یہ اپنے نصاب میں اسلام کی حقیقی روح پیش کرتے تھے اور اپنے طلبہ کو زمانے کے تقاضوں کے مطابق جدید علوم سے روشناس کروارہے تھے اور انہیں پروفیشنل قابلیت والا انسان بنارہے تھے۔اور پھر برسہابرس کی محنت کے بعد اسی نصاب تعلیم نے الفارابی، الماوردی، ابن تیمیہ، ابن خلدون جیسی نامور اور بڑی شخصیات کو دنیا بھر میں متعارف کروایا۔یہ سبھی اور ان جیسے درجنوں اپنے اپنے میدان کے شہسوار تھے۔علم دین، علم طب، علم فلکیات، علم الفلسفہ، علم تاریخ، علم فزکس اور کمیسٹری کوئی شعبہ ایسا نہیں تھا جس میں مسلمانوں نے ترقی نہ کی ہو۔

بلاشبہ قوموں کی ذہنی، فکری، اخلاقی اور معاشرتی تعمیر وترقی میں جو کردار نصاب ادا کرتا ہے وہ کوئی نہیں۔کیونکہ اس نصاب کی ہی بنیاد پر بچے اپنا مستقبل طے کرتے اور اپنی فکری روش کا آغاز کرتے ہیں۔یہی وہ ذریعہ ہے جس کے ذریعے قومیں بنتی اور بگڑتی ہیں۔نصاب تعلیم اور تربیت کا انسانی سوچ اور فکر پر کیا اثرات مرتب ہوتے ہیں اس کی سب سے عمدہ مثال سیرت النبی ﷺ میں ہمیں میسر آتی ہے جہاں دو عشروں کی مدت میں ایسے زبردست انسان تیار کئے گئے جن کے اندر وہ تمام خصوصیات بدرجہ اتم موجود تھیں جس کی بدولت وہ پوری دنیا پر کئی دہائیوں تک چھائے رہے۔نصاب تعلیم کا مقصد نہ صرف جدید معاشرے سے ہم آہنگ تعلیم دینا ہے بلکہ نئی نسل کو اخلاقیات کا شعور بھی دینا ہے تاکہ جہاں وہ ایک قابل اور باصلاحیت کردار ادا کریں وہیں ایک بہترین انسان بھی بننے کی خواہش اجاگر ہو۔یہ نصاب ان کو سوچنے کے نئے زاویے مہیا کرے اور ان میں مطالعہ، تحقیق اور غور وفکر کی عادت بھی پروان چڑھے۔

(8) ریاستی تعلیمی نظام میں متعلم کا کردار

سیرت النبی ﷺ کے مطالعے سے ایک بات یہ واضح ہو جاتی ہے کہ کسی بھی معاشرے کی تعمیر و ترقی میں استاد کے کردار کے بارے میں کوئی دو رائے نہیں ہے۔ اس کی اہمیت مسلم ہے۔ اس کا اندازہ اس بات سے لگایا جا سکتا ہے کہ سید الانبیاء حضرت محمد ﷺ نے اپنے لئے منصب معلمی کو ہی پسند فرمایا چنانچہ آپ نے فرمایا "انما بعثت معلما" چنانچہ معلم کا کردار ریاست کے تعلیمی نظام میں سب سے زیادہ اہمیت کا حامل ہے۔ معلم علم کے مادہ سے ہے اسی لئے تعلیم کی تعریف کی جاتی ہے کہ

"تعلیم مخصوص ہے اس علم کے ساتھ جو متعدد اور بکثرت سکھایا جائے اور متعلم کے دل پر اس کے اثرات متحقق ہو جائیں"[33]

متعلم کا بنیادی کام ایک ایسی نسل نو کی تیاری ہے جس سے معاشرہ صالح اور فلاح و کامرانی کے راستے پر گامزن ہو جائے۔ در حقیقت یہ افراد کی ذہنی اور فکری صلاحیتوں کو اجاگر کرنے اور ان کی نشوونما کرنے کا منصب ہے جس سے ایک ریاست ترقی کے منازل طے کرتی ہے۔ فن لینڈ جیسے ملک میں جہاں کا نظام تعلیم دنیا کا سب سے بہترین نظام تعلیم ہے اس کو اگر اسٹڈی کیا جائے تو یہ بات سامنے آتی ہے کہ وہاں کے نظام تعلیم میں سب سے بنیادی حیثیت "معلم" کی ہے۔ وہاں معلم کا کردار سب سے زیادہ اہمیت کا حامل ہے۔ بہت چھان پھٹک کے بعد معلمین کا انتخاب کیا جاتا ہے اور پھر انہیں ایک کڑے امتحان سے گزار کر ان کی اچھوتے انداز میں ٹریننگ کی جاتی ہے۔ ان کے ہاں معلم پوری ریاست کے سب سے بہترین دماغوں پر مشتمل ہوتے ہیں یہی وجہ ہے کہ وہاں پر ایک استاد کا پروٹول وزیر اعظم سے زیادہ ہے اور ان کی مراعات اور دیگر سہولیات کسی وزیر کو بھی میسر نہیں جتنی وہاں ایک پرائمری اسکول کے معلم کو میسر ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ ان کا نظام تعلیم دنیا کا سب سے بہترین نظام ہے اور وہاں خواندگی کی شرح 100 فیصد ہے۔ اس لئے ضروری ہے کہ ریاست کے تعلیمی نظام میں ایک معلم کا کردار سب سے بنیادی ہونا چاہیے۔ صرف وہی اساتذہ ہی تعلیم و تعلم کے لئے نامزد کئے جائیں جو اس کے لئے قابل اور لائق ہوں۔ کیونکہ ان کے ہاتھوں میں ریاست کے ان نونہالوں کی تعلیم و تربیت کی ذمہ داری ہوتی ہے جنہوں نے آگے جا کر اپنے معاشرے میں اہم فعال کردار ادا کرنا ہوتا ہے۔

(9) عصری اور دینی تعلیم کا امتزاج اور ریاست کی تعلیمی پالیسی

ریاست کے تعلیمی نظام کو اگر اسلام کے مزاج کے مطابق ہم آہنگ کرنے کی بات کی جائے تو سب سے پہلے ذہنوں میں یہ اشکال وارد ہوتا ہے کہ کیا عصری علوم میں حدیث و فقہ کو داخل کر دیا جائے یا دینی تعلیم میں فزکس اور کیمسٹری کا نصاب پڑھایا جائے یعنی عصری اور دینی اداروں میں نصاب کی کیا صورت اختیار کی جائے جس میں یہ طبقاتی تفریق اور یہ تقسیم ختم ہو جائے۔ اس حوالے سے بھی سیرت نبوی ﷺ کی تعلیمات ہماری رہنمائی کرتی ہوئی نظر آتی ہیں۔ اس سلسلے میں ایک اصولی بات سمجھنے کی ضرورت ہے کہ ایک ضروری اور فرض علم ہے جو ہر مسلمان معاشرے میں رہنے والے کے لئے جاننا اور سیکھنا ضروری ہے۔ وہ ہر شخص بلا امتیاز سیکھے گا۔ جیسا کہ دین کے ارکان کا علم، نماز روزے کے مسائل، قرآنی تعلیم وغیرہ اور ایک دوسرا علم جسے ہم تخصصات یا سپیشلائیزیشن کہہ سکتے ہیں یعنی علم طلب، علم فلکیات وغیرہ کا اختیار کرنا یہ فرض کفایہ ہے کہ کوئی بھی دین کے ضروری علم کو حاصل کرنے کے بعد اس طرح کے تخصصات کے لئے آزاد ہے۔

مدینہ منورہ میں صفہ کا ماڈل جس میں دینی اور دنیاوی دونوں طرح کے علوم و فنون کی ترویج کی جاتی تھی۔ اسی ماڈل پر قائم تھا۔ جبکہ بعد میں ادوار میں اس میں مزید ترقی ہوئی اور مراکش میں قائم دنیا کی سب سے قدیم اور پہلی اسلامی یونیورسٹی جامعہ قرویین جو تیسری صدی ہجری میں قائم کی گئی اس کا ماڈل ہمارے لئے نہایت قابل تقلید ہے۔ جامعہ قرویین میں جو علوم پڑھائے جاتے تھے ان میں اسلامی تفسیر، حدیث اور فقہ، منطق کے ساتھ ساتھ طب، سائنس، ریاضی اور فلکیات وغیرہ یہ سارے زیر تدریس تھے۔ جیسا کہ سابقہ سطور میں بتایا جا چکا کہ اس عظیم ترین درسگاہ میں ابن رُشد جیسے عظیم مسلمان اہل علم درس دیا کرتے تھے۔ جبکہ ابن رشد کے بارے میں ایک عجیب بات یہ ہے کہ وہ بیک وقت دینی اور

سائنسی علوم کے ماہر تھے۔ چنانچہ فقہ اسلامی میں ان کی کتاب "بدایہ المجتہد" بہت معروف ہے اور داخلِ نصاب ہے۔ جبکہ طب میں انہوں نے "کتاب الکلیات" کے نام سے کتاب لکھی جس نے طب کی دنیا میں انقلاب برپا کر دیا اور باقاعدہ اس کتاب کے عربی سے کئی زبانوں میں تراجم کروا کے یونیورسٹیوں میں آج بھی پڑھائی جاتی ہے۔ ایک اور کتاب فلسفے کے مضمون میں لکھی جس کا نام "تہافت التہافت" ہے یہ بھی ایک معرکہ آراء کتاب ہے اور اپنے زمانے کی مقبول عام کتابوں میں اس کا شمار ہوتا ہے۔ جامعۃ القرویین میں سائنٹفک ایجادات کے نمونے بطور مشاہدے کے آج بھی اس سنہری دور کی یاد دلاتے ہیں۔ یہی وہ جامعۃ القرویین ہے جہاں دینی علوم کے بادشاہ قاضی عیاضؒ جیسے بھی پیدا ہوئے اور جہاں ابن رشد جیسا فلسفی، البیرونی جیسا ریاضی داں اور فارابی جیسا فلسفی اور سائنسدان اور ستر سے زائد زبانوں پر عبور رکھنے والا بھی وہیں پیدا ہوا۔ یہ وہی تعلیمی ماڈل ہے جس کا تذکرہ پیچھے ہو چکا کہ دین اسلام کا فرض عین علم سب کو پڑھایا جاتا تھا۔ اس کے بعد اگر کوئی علم دین میں آگے بڑھنا چاہے تو اس کے لئے میدان کھلا ہوتا تھا اور اگر کوئی ریاضی میں تخصص کرنا چاہتا تو بھی اس کے لئے جامعۃ القرویین میں بہترین انتظام تھا۔ اگر کوئی طب میں مہارت حاصل کرنے کا شوقین ہوا تو اسے طب کے شعبے میں داخلہ دے دیا جاتا تھا۔ یوں اسی ایک جامعہ سے محدثین، مفسرین اور فقہاء بھی پیدا ہوئے اور فلاسفہ، ماہر ارضیات، ماہر طب، ماہر فلکیات، ماہر ریاضی بھی اسی جامعہ سے فارغ التحصیل ہوئے۔ ابتدائی دینی علوم میں دونوں یکساں تھے۔ یوں نماز، روزہ، زکوۃ، حج، بنیادی دینی احکامات دونوں طرح کے فاضلین اس بارے میں جانتے تھے اور عمل کرتے تھے اور کوئی اختلاف نہ تھا۔ بعد کے ادوار میں تفریق تب پیدا ہوئی جب ضروری دینی علوم کو بالکلیہ الگ کر دیا گیا اور علوم عصریہ کو لازم اور ہر طرف رائج کر دیا گیا اسی نظام نے اصل خرابی پیدا کر دی۔ اس لئے ریاست کا تعلیمی نظام سیرت النبی ﷺ کے سانچے میں ڈھالنے کے لئے دینی اور عصری علوم کے امتزاج کا ایک زبردست اور پر اثر نفاذ لاگو کرنا ہوگا تاکہ دونوں طبقات میں یہ تفریق جڑ سے ختم ہو سکے۔

تجاویز وسفارشات

ریاست کے تعلیمی نظام کا ڈھانچہ اور اس کی سیرتی تشکیل کی تفصیل تو بہت زیادہ صفحات کی متقاضی ہے لیکن اجمالی طور پر چند تجاویز اور سفارشات حسب ذیل ہیں:

(1) ریاست کے تعلیمی نظام کی بنیاد اگر اسلامی تناظر میں دیکھا جائے تو وہ للّٰہیت اور خشیت کے بنیاد پر رکھی جانی چاہیئے۔ مسلم اقوام کا ایک منفرد تصور علم ہے۔ اس تصور علم میں وحی الہی اور اسلام کو بنیادی حیثیت حاصل ہے۔ یہ ہر قسم کے سماعی اور مشاہداتی علوم کا مجموعہ ہے لیکن اس کی اصل بنیاد وحی الہی ہے۔ اس تصور علم کے مطابق جب ریاست کے تعلیمی ڈھانچے کی بنیاد رکھی جائے گی تو ان شاء اللہ ایسی ریاست تعلیم وترقی کی معراج ثابت ہوگی۔

(2) ریاست کے تعلیمی نظام میں اسلامی تصور تعلیم یعنی "تزکیہ وتربیت" کا احیاء کیا جائے۔ کیونکہ علم بغیر عمل کے کچھ نہیں اور تربیت اخلاقی نشوونما کے لئے نہایت ضروری ہے۔ علم کے ساتھ اگر تربیت وتزکیہ کا طریقہ عمل نہ ہو تو ایسے علم سے بہت سے اخلاق رذیلہ جیسے کبر، عجب پسندی، حسد، کینہ، بغض، عداوت، شقاوت پیدا ہوتے ہیں اور اگر علم کے ساتھ تربیت وتزکیہ ہو تو ایسے علم سے انسان میں اخلاق کریمہ جیسے ہمدردی، للّٰہیت، خشیت الہی، ایثار، صدق وامانت اور شفقت ومحبت کے جذبات پیدا ہوتے ہیں۔ انسان اپنے اس علم کو انسانیت کی بھلائی کے لئے استعمال کرتا ہے اور معاشرے کے لئے ایک کارآمد انسان کی تشکیل ہوتی ہے۔ لہذا ایک مسلم معاشرے میں ریاست کے بنیادی تعلیمی نظام میں اسلامی تربیت کا منہج اور لائحہ عمل پیش نظر ہونا چاہیئے۔

(3) ریاست کے تعلیمی نظام میں تربیت طلبہ کے ساتھ تربیت اساتذہ کے لئے ایک میکینزم قائم کیا جانا ضروری ہے۔ جب ایک استاد نیک صالح، مستقل مزاج، اخلاقی روش کا حامل اور کردار کی مضبوطی والا ہو گا تو ظاہر بات ہے کہ وہ اپنے طلباء کی تربیت بھی اسی منہج پر کرے گا۔ اس لئے ضروری ہے کہ اساتذہ کی تشکیل میں نبوی منہج کو سامنے رکھا جائے اور اس سلسلے میں کسی قسم کی کوئی کوتاہی نہ برتی جائے۔

(4) ریاست کے تعلیمی نظام کے لئے ضروری ہے کہ ایک ایسا نصاب مرتب کیا جائے تو طبقاتی تقسیم کو جنم نہ دے بلکہ وہ ایسا نصاب ہو جو معاشرے میں ایسے افراد کو تیار کرے جو باہمی محبت و مودت کا منہ بولتا ثبوت ہوں۔ باہم ایثار کا جذبہ ان میں بدرجہ اتم پایا جائے اور وہ اخلاقی طور پر ایک دوسرے سے سبقت لے جانے والے ہوں لہٰذا اس سلسلے میں سیرت النبی ﷺ میں ہمیں بھرپور رہنمائی مل سکتی ہے۔

(5) ریاست کا نظام تعلیم ایسا ہونا چاہیے کہ وہ ایک اسلامی معاشرے اور مملکت کی تمام دنیوی اور جدید ترین ضرورتیں بھی بطریق احسن پوری کرے یعنی ہر قسم کی پیچیدہ اور جدید سائنسی تعلیم اسلامی نظام تعلیم کا جزو ہے۔ بلاشبہ اسلامی معاشرہ پچھلے چودہ سو سال سے بلا انقطاع قائم ہے۔ سائنس و ٹیکنالوجی کی تعلیم جس طرح ماضی میں اس کی مثال ہمارے سامنے ہے تو آج بھی ہونی چاہیے بلکہ جس طرح ماضی میں ہم سائنس و ٹیکنالوجی میں سبقت لے جانے والے تھے ضروری ہے کہ آج بھی ہمیں ان میں ان کا ہم پلہ ہونا چاہیئے کیونکہ اس کے بغیر ترقی کی ضمانت نہیں دی جا سکتی۔ خصوصاً بزنس، سائنس اور ٹیکنالوجی میں اعلیٰ ترین معیار کے حصول کو ممکن بنایا جائے۔ زمانے سے ہم آہنگ ہونے کی تعلیم ہمیں سیرت النبی ﷺ کے وسیع مطالعے میں بارہا ملتی ہے۔

(6) ریاست کے تعلیمی نظام میں ترقی کے لئے ضروری ہے کہ خواتین کی تعلیم کو اہمیت دی جائے کیونکہ ایک ماں کو تعلیم یافتہ کرنے کا مطلب ہے سارے خاندان کو تعلیم یافتہ بنانا۔ اسلام نے خواتین کو تعلیم کے وہ سارے بنیادی حقوق دیئے ہیں جو مردوں کو دیئے ہیں اس لئے جس طرح ریاست کے تعلیمی نظام میں خواتین کو برابری کی سطح پر نمائندگی دیے جانے کی اشد ضرورت ہے۔

(7) ریاست کے تعلیمی نظام میں فنی تعلیم کو بھی ایک خاص درجہ دیا جانا ضروری ہے۔ علوم کے ساتھ فنون کی تعلیم بھی ضروری ہے۔ زمانے کے بڑھتے ہوئے مسائل میں فنون کی اہمیت دوچند ہے۔ اس لئے فنون کے سیکھنے سکھانے پر خاص توجہ دی جانی ضروری ہے اس کے لئے باقاعدہ ادارے بنائے جائیں جو مختلف فنون کی تعلیم میں اعلیٰ معیار قائم کریں۔

(8) ریاست کے تعلیمی نظام میں بنیادی تعلیم (میٹرک) کم از کم مفت میسر ہو اور یہ ریاست کے ہر فرد کے لئے ضروری قرار دی جائے۔ مسجد کو ابتدائی تعلیم کا مرکز بنایا جائے اور بقیہ تعلیمی مراکز جیسے کالجز اور یونیورسٹیاں ان کی تعلیم کے حصول کو آسان بنایا جائے تاکہ لوگ اپنے بچوں کو باآسانی تعلیم سے ہمکنار کر سکیں۔

(9) ایک ریاست کے لئے ضروری ہے کہ وہ تعلیم کے لئے سب سے زیادہ فنڈ مختص کرے۔ کیونکہ یہ وہ بنیادی انویسمنٹ ہے جو ریاست اپنے افراد تیار کرنے پر کرتی ہے۔ تعلیم کے لئے کسی قسم کا سمجھوتہ نہ کیا جائے بلکہ تعلیم کسی بھی دوسرے شعبے قائم کرنے سے پہلے از حد ضروری ہے۔

(10) ریاستی تعلیمی نظام میں تعلیمی سرگرمیوں کو جانچنے، پرکھنے اور کسی بے ضابطگی پر اس کے سدھار کے لئے باقاعدہ ایک ادارہ بھی قائم کیا جانا ضروری ہے۔ جیسا کہ رسول کریم ﷺ نے معاذ بن جبلؓ کو یمن کیلئے انسپکٹر جنرل آف ایجوکیشن کے طور پر بھیجا، حضرت معاذؓ نے وہاں جاکر تدریسی فرائض سرانجام دینے کے ساتھ تعلیمی ادارے بھی قائم کئے اور اسی طرح صوبوں اور شہروں میں بھی تعلیم کا ایسا انتظام رائج کیا گیا جیسا کہ مدینہ منورہ میں قائم تھا۔

(11) ریاست کے وہ افراد جو معذور ہیں ان کی تعلیمی ذمہ داریوں کو پورا کرنا ریاست کی ذمہ داری ہے۔ ان کو سہولیات بہم پہنچانا تاکہ وہ معذوری کے باوجود علم ضرور حاصل کر سکیں۔ اسی طرح ریاست کی وہ اقلیتی سوسائٹی جو کسی خاص مذہب سے تعلق رکھتے ہیں انہیں بھی تعلیم کے زیور سے

آراستہ کرنا ریاست کی ذمہ داری ہوتی ہے۔ ان کے مذہب اور ان کی روایات کے مطابق نصاب ترتیب دینا اور ان کے لئے ادارے قائم کرنا بھی ریاست وقت کی اولین ترجیح ہونی چاہیے۔ اگرچہ ان کا مذہب یا روایات اکثریتی طبقے سے الگ ہیں مگر وہ شہری تو اسی ریاست کے ہیں اس لئے ان کے حقوق کا خیال رکھنا بھی ریاست کے ذمہ واجب ہے۔

(12) ریاست کے تعلیمی نظام میں ترقی تبھی ممکن ہے جب ریاست کے تعلیمی اداروں سے علم حاصل کرنے والوں کی قدر کی جائے اور انہیں ان کے میدان کے لحاظ سے بلا تفریق کام کرنے دیا جائے اور ان کی بے توقیری نہ کی جائے۔ تبھی وہ ریاست کو پروان چڑھانے میں خلوص نیت سے کام لیں گے۔ عام طور پر دیکھا یہ گیا ہے کہ قابل ترین ذہین لوگوں کو اپنے معاشرے کے بھلائی کے لئے کام نہیں کرنے دیا جاتا بلکہ بسا اوقات ان کی ناقدری اور بے توقیری کی جاتی ہے نتیجتاً وہ ملک چھوڑ کر کہیں اور جا بستے ہیں اور غیر اقوام ان کی قدر کرتی ہے اور ان کے کام کو سراہتی ہے لہذا وہ اپنے وطن کو چھوڑ کر دوسری جگہ چلے جاتے ہیں۔ اس سلسلے کی روک تھام کے لئے بھی ریاست کو ٹھوس اقدام کرنے ہوں گے تاکہ اہل علم والوں کی ناقدری نہ ہو اور وہ اپنے معاشرے کی تعمیر و ترقی میں کامل کردار ادا کر سکیں۔

حوالہ جات

[1] Encyclopedia of Social Science, New York, Vol 14, P: 329

[2] دہلوی، شاہ ولی اللہ، قطب الدین، حجۃ اللہ البالغۃ، لبنان، 1/ 44

[3] محمد اعظم چوہدری، علم مدنیت، طاہر سنز، کراچی، 1992، ص174، 175

[4] الطوسی، ابو جعفر نصیر الدین محمد بن محمد، اخلاق ناصری، لکھنو، 1343ھ، ص:82)

[5] غازی، محمود احمد، قواعد کلیہ اور ان کا آغاز وارتقا، شریعہ اکیڈمی، اسلام آباد، 2014، ص:150

[6] السیوطی، عبد الرحمن بن ابی بکر، جامع الاحادیث، رقم الحدیث:1056

[7] غازی، محمود احمد، محاضرات تعلیم، دار العلم والتحقیق، کراچی، 2014، ص:212

[8] المجادلۃ:11

[9] الزمر:19

[10] ابو نعیم، احمد بن عبد اللہ الاصبہانی، حلیۃ الاولیاء وطبقات الاصفیاء، دار الکتب العلمیہ، بیروت، 1409ھ، 1/ 107

[11] آل عمران، 164

[12] الازرقی، ابو الولید محمد بن عبد اللہ، اخبار مکہ، دار الاندلس، بیروت، 2/ 260

[13] مبارکپوری، قاضی اطہر، خیر القرون کی درسگاہیں اور ان کا نظام تعلیم وتربیت، ادارہ اسلامیات، لاہور، ص:29

[14] حمید اللہ، الدکتور، اسلامی ریاست، الفیصل ناشران کتب لاہور، ص:30

[15] محمود احمد غازی، محاضرات تعلیم، ص:165

[16] ایضاً، ص:166

[17] مبارکپوری، صفی الرحمن، الرحیق المختوم، المکتبۃ السلفیہ، لاہور، ص254

[18] نعمانی، علامہ شبلی، الفاروق، دار الاشاعت، کراچی، ص:273

[19] ابن الاثیر، ابو الحسن علی بن محمد، اسد الغابۃ، دار الکتب العلمیہ، بیروت، 3/ 395

[20] نعمانی، علامہ شبلی، الفاروق، ص:264

[21] محمد حمید اللہ، الدکتور، خطبات بہاولپور، مطبع الجمالیہ، مصر، ص:305

[22] ابو داؤد، سلیمان بن اشعث، ابی داؤد، دار الکتاب العربی، بیروت، 1/ 48

[23] ابن حجر، احمد بن علی، الاصابہ فی تمیز الصحابہ، دار الجیل، بیروت، 2/ 594

[24] علامہ شبلی نعمانی، الفاروق، دار الاشاعت، کراچی ص:267

[25] ابن ماجہ، عبد اللہ بن یزید القزوینی، سنن ابن ماجہ، رقم الحدیث:224

[26] قاضی اطہر مبارکپوری، خیر القرون کی درسگاہیں اور ان کا نظام تعلیم وتربیت، ص:32

[27] البخاری، محمد بن اسماعیل، الصحیح البخاری، رقم الباب:15

28 الذہبی، شمس الدین محمد بن احمد، سیر اعلام النبلاء، مئوسسۃ الرسالہ، 1405ھ، 3/220

29 ایضاً، 3/221

30 البخاری، محمد بن اسماعیل، الجامع الصحیح، باب ھل یجعل للنساء یوم علی حدۃ فی العلم، رقم الحدیث: 101

31 ابو داؤد، سلیمان بن اشعث السجستانی، سنن أبو داؤد، باب ماجاء فی الرقی، رقم الحدیث: 3887

32 احمد بن حنبل، مسند الامام احمد بن حنبل، حدیث الشفاء بنت عبد اللہ، رقم الحدیث: 27095

33 الزبیدی، مرتضیٰ محمد بن محمد، تاج العروس، دار القلم، 17/396